© rasailojaraid.com

"اسلام کا نظام عدل... ایک جائزہ"

محمد سعید الرحمان شمس۔ مدیر نصرۃ الاسلام کشمیر۔

اسلام کوئی نیا مذہب اور دین نہیں ہے بلکہ اس الٰہی مشن اور پیغام و دعوت کی آخری حتمی اور تکمیلی شکل ہے جسے جملہ انبیائے کرام اپنے اپنے وقت اور دور میں چلاتے اور عروج بخشتے رہے۔ جس کی ابتدا سیدنا حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی حضرت آدمؑ جہاں پہلے انسان تھے وہاں پہلے رسول بھی تھے، اس کے بعد حضرت عیسٰی مسیحؑ تک مسلسل خدا کے پیغمبر آتے رہے۔ حضرت ابو امامہؓ کی روایت میں آیا ہے کہ سیدنا حضرت ابوذر غفاریؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مبعوث انبیائے کرامؑ کی تعداد کے بارے میں سوال کیا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار ان میں تین سو پندرہ رسول ہوئے۔

(بحوالہ مسند احمد و ابن حبان)

خدا کے ان برگزیدہ بندوں اور منتخب نمائندوں نے مختلف قوموں اور آبادیوں کو اس حقیقت سے آگاہ کیا اور خدا سے ڈر کر مستعار زندگی گذارنے کی تلقین کی رسالت و نبوت کی تکمیل پیغمبر آخر الزماں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ ستودہ صفات سے کی گئی۔ آپؐ جملہ انبیاء و رسل کے خاتم تھے جب کہ دوسرے حضرات صرف نبی اور رسول تھے اور آپؐ پیغمبر ہونے کے ساتھ خاتم النبین بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی طرح آپ کی ورسالت کے ساتھ دینِ الٰہی کی ہر ہر پہلو اور جہت سے تکمیل ہو گئی۔ قرآن مجید میں ارشادِ ربّانی ہے:۔

"الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔" (المائدہ)

یعنی آج ہم نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت (تم پر) تمام کر دی اور اسلام کے دین ہونے کی حیثیت سے تم سے راضی ہو گئے۔

اسی کے ساتھ ساتھ بانگِ دہل یہ بھی اعلان فرما دیا گیا کہ۔

"ان الدین عند اللہ الاسلام ومن یبتغ غیر الاسلام دیناً فلن یقبل"

بلاشبہ اسلام ہی حضرت حق جل مجدہ کے نزدیک پسندیدہ (مذہب) اور دین ہے اور جو کوئی اس کے علاوہ دوسرا مذہب تلاش کرے وہ ہرگز قابلِ قبول نہیں۔

خود ایک حدیث پاک کے اندر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ:۔

"میں کوئی نئی چیز لے کر نہیں آیا ہوں۔ بلکہ تم کو ایسی چیز کی طرف بلانے آیا ہوں جس کی تعلیم انبیائے سابقین نے دی ہے۔ میں ان تمام رسولوں کی عزت اور ان کا احترام کرتا ہوں جو خدا کی طرف سے مامور تھے، میں ان سب کی توثیق و تصدیق کرتا ہوں"۔

اس کے علاوہ متعدد احادیث مبارکہ اور قرآنی آیات میں اس حقیقت کی ترجمانی اور وضاحت کی گئی ہے یہاں تک کہ ایمان کی بنیاد جن چھ چیزوں پر ہے ان میں ایک اہم بنیاد تمام انبیائے سابقین پر اجمالی ایمان بھی ہے۔

اسلام نام کا مذہب کوئی ایسا مذہب اور ایسا عقیدہ نہیں ہے جس کی ابتدا اور آغاز کا کوئی احساس، ناسوت، یا زمانہ شمار کیا جاسکتا ہو۔ بلکہ مذہب اسلام وہ مذہب ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جس کی عمر ٹھیک اتنی ہی کہی جا سکتی ہے جتنی ابو البشر سیدنا حضرت آدم علیہ السلام سے اب تک بنی آدمؑ اور اولاد آدم کی بنتی ہے، مذہب اسلام نے جو اپنے متبعین اور پیروں کاروں کو تعلیم دی ہے وہ آفاقی اور عالمگیر ہونے کے ساتھ ساتھ تمام نوع انسانی (HUMAN BEING) کی ہدایت اور رہبری کے لیے بھیجے جانیوالے خدا کے برگزیدہ اور پسندیدہ بندوں پر ان کی تعلیم پر ایمان لانے سے شروع ہوتی ہے۔ اگر اللہ تعالی تمام انبیاء و رسلین کے اسمائے گرامی قرآن مجید میں بالترتیب بیان فرمانے لگتے تو بے شبہ اس پر پوری طرح قادر تھے لیکن یہ چیز لاحاصل تھی۔ اور سوچئے! اس طرح پر قرآن مجید کی ضخامت اور حجم کس قدر بڑھ جاتا ہے لیکن حکیم مطلق نے نہایت ہی مختصر مگر جامع اور مانع طریقۂ بیان اختیار فرمایا۔ کہ پوری انسانی دنیا ایمان وعقیدہ کے اعلان کرتے وقت اس بات کا صدق دل سے اقرار کرے کہ ہم تمام انبیاء علیہ السلام اور ان کی ربانی تعلیمات پر ایمان لاتے ہیں۔

اسلام روئے ارض پر بھی وہ واحد مذہب ہے جو اپنے وسیع تر دامن میں انسانیت کی صلاح وفلاح کے لیے ایک مکمل نظام حیات، نظام زندگی اور مقصد حیات رکھتا ہے۔ انسانی زندگی کے متنوع اور مختلف گوشوں اور شعبوں میں اسلامی تعلیمات وہدایات کی تکمیلی حیثیت سے صرف نظر کرتے ہوئے ہمیں درج ذیل مقالہ میں "اسلام کے نظام عدل" پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالنی ہے اور یہ دیکھنا ہے کہ اسلام نے اس سلسلہ میں کیا کچھ ہدایات دی ہیں اور کون سے اصول وضع کئے ہیں جس سے انسانیت کے درد کا مداوا اور زخم کا مرہم بن سکے۔

اسلامی اور مغربی نظام عدل کا تقابل

اللہ تعالی نے انسانوں کو دو متضاد قوموں کا حامل بنا لیا ہے۔ ایک وصف اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں ملکوتیت کا پایا جانا ہے جو اسے اچھے اخلاق و کردار کی طرف مائل کرتا ہے اور اس میں نیکی اور پرہیزگاری کے جذبات پیدا کرتا ہے۔ دوسرا وصف بہیمیت ہے جو انسان کو ظلم و جبر، لوٹ مار، قتل و غارت، حرص و ہوس اور نفسانی و شیطانی خواہشات کی تکمیل کی طرف متوجہ کرتی ہے۔ چونکہ نفسانی خواہشات میں تلذذ اور رنگینی ہوتی ہے اس لیے اکثر انسان بغیر سوچے سمجھے اور نتائج و ثمرات سے بے پرواہ ہو کر خواہشات کی وادی میں چھلانگ لگا دیتا ہے۔ انسانی معاشرہ کو امن و سلامتی کا گہوارہ بنانے اور لوگوں کی جان و مال اور عزت و آبرو کو تحفظ دینے کے لیے دو قسم کے نظام رائج ہیں۔ ایک نظام تو وہ ہے جو انسانی ذہن و فکر کا ساختہ اور پرداختہ ہے جسے ہر ملک کے معاشرے اور موجودہ حالات نے اپنی خواہشات اور جذبات کو مدنظر رکھ کر تیار کیا ہے اور اس کے ذریعے اس ملک کے افراد اپنے معاشرے میں عدل کا نظام قائم رکھتے ہیں۔ دوسرا نظام ہے جسے انسانوں کے خالق و مالک نے اپنے بندوں کی حاجت و ضرورت، اس کی کمزوریوں، خامیوں، خوبیوں اور خرابیوں کو مدِنظر رکھ کر تیار کیا اور اپنے منتخب بندوں اور نمائندوں (انبیاء و رسل) کے ذریعے عالم انسانیت تک پہنچایا ہے۔ یہ نظام سرورِ کونین حضرت اقدس محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے اور طفیل میں تکمیل پذیر ہوا ہے۔ "اسلامی نظام عدل" اور مغرب کے نظام عدل میں یہی بنیادی فرق ہے کہ یہ انسانوں کا تیار کردہ ہے اس لیے اس میں وہ تمام کمزوریاں اور خامیاں موجود ہیں جو ایک انسان میں عموماً ہوا کرتی ہیں۔ مثلاً اس نظام میں مملکت کا سربراہ یا اس کے حاشیہ نشین ہر قسم کی مسئولیت اور (IMPEACHMENT) سے مامون ہوتے ہیں، مظلوم عوام کا ہاتھ ان کے گریبان تک تو کیا ان کے دامن تک نہیں پہونچ سکتا۔ کیونکہ قانون سازی کرتے وقت وہ اپنے تحفظ کا پورا پورا اہتمام کرتے ہیں۔ اس کے برخلاف اسلامی نظام عدل میں مساوات اور برابری ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں بحیثیت بندہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تمام بندے برابر اور مساوی ہیں۔ اس حقیقت کا عملی مظاہرہ اس واقعہ سے لگائیے کہ "ایک مرتبہ رحمۃ اللعالمین جناب محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کی چھڑی سے ایک صحابیؓ کو ہلکی سی خراش آجاتی ہے اور وہ اپنی تکلیف کا اظہار کرتے ہیں۔ وہ ذاتِ پاک جس کی خاک پاک ملک و ملکوت کے لیے سرچشمہ تھی۔ اپنی پشتِ مبارک کھول کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور صحابی کو حکم دیتے ہیں کہ اپنا بدلہ لے لو"!

کیونکہ مغربی نظامِ عدل انسانوں کا بنایا ہوا ہے اس لیے نہ اس کو استقرار حاصل ہے اور نہ دوام، آج ایک قانون پاس ہوتا ہے اور کل جب دوسری پارٹی برسر اقتدار آتی ہے تو وہ قانون اس کے مفادات کے منافی ہوتا ہے تو فوراً اسے (AMEND) کر دیا جاتا ہے۔ بالفاظِ دیگر اسے یوں کہیے کہ مغرب کا نظام عدل عوام کی حفاظت نہیں کرتا بلکہ حکمراں ٹولے کے مفادات کی حفاظت کرتا ہے اس کے برخلاف اسلام کے عدل پر نہ تو حکومتوں کی تبدیلی کا اثر پڑتا ہے اور نہ زمانہ کے انقلابات و حوادث کا۔ رب العالمین کا واضح ارشاد ہے۔

"لا تبدیل لکلمات اللہ" (یونس) اللہ تعالیٰ کے کلمات میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔

یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے۔ وہ جانتا ہے کہ انسانی معاشرہ قیامت تک کن کن مسائل سے دوچار ہوگا۔ اور ان کا حل کیا ہے؟ اس لیے اس نے نازل کردہ کتاب اور اپنے پاک رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مطہرہ میں ان تمام مسائل کا حل رکھ دیا ہے۔

ایک نکتہ

اس سلسلہ میں ایک نکتہ اور بھی پیش نظر رکھنے کی ضرورت ہے وہ یہ کہ چونکہ مغرب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا نظامِ عدل انسان کا بنایا ہوا ہے اس لئے وہ انسانی خواہشات کے تابع ہے۔
اور اسلامی نظامِ عدل چونکہ اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ ہے اس لیے وہ انسانی خواہشات
پر کنٹرول کرتا ہے۔

اسلامی نظامِ عدل میں حاکم اور محکوم دونوں کے دل میں یہ بات راسخ کی جاتی
ہے کہ وہ دونوں ایسے سمیع و بصیر اور علیم و منتقم اللہ تعالیٰ کے حضور جوابدہ ہیں جو
عالم الغیب والشہادہ ہے جو بندوں کی نیت و ارادہ سے واقف ہے اور جس کی
آنکھیں ایک لمحہ کے لیے بھی اپنے بندوں کے اعمال سے غافل نہیں۔ یہی جواب دہی
کا یہ احساس اور تصور بندوں کے دل میں خوف و خشیت کو جنم دیتا ہے اور وہ
ایسے اعمال کے ارتکاب سے پرہیز کرتے ہیں جن کے ارتکاب سے اسلامی شریعت
نے منع کیا ہے اس کے باعث جرائم کے ارتکاب کی شرح کم سے کم ہو جاتی ہے۔

تاریخ اسلام کا یہ مشہور اور سچا واقعہ سننے کے لائق ہے۔
لڑکی کو جب اس کی ماں نے دودھ میں پانی ملانے کے لیے کہا تو لڑکی نے پانی
ملانے سے انکار کر دیا جب ماں نے جواب طلبی کی تو اس نے کہا کہ خلیفۃ المسلمین
عمرؓ فاروق نے دودھ میں پانی ملانے سے منع کیا ہے
ماں نے کہا کیا اس وقت عمرؓ دیکھ رہے ہیں؟ کہ تو دودھ میں پانی ملا رہی
ہے۔ لڑکی نے برجستہ جواب دیا۔ ماں یہ صحیح ہے کہ عمرؓ نہیں دیکھ رہے ہیں لیکن
رب تو دیکھ رہا ہے۔ بچی کی بات سن کر ماں لاجواب ہو گئی۔
ماں کو یہ بات معلوم نہیں تھی اس کے مکان کے دروازے سے لگے ہوئے حضرت
عمرؓ ماں بیٹی کے مکالمے کو سن رہے تھے۔ تاریخ میں آتا ہے کہ سیدنا حضرت
عمرؓ کو بچی کا جواب اس قدر پسند آیا کہ آپ نے بعد میں اس لڑکی کو اپنی بہو
بنا لیا۔ جواب دہی مسئولیت کا یہ خوف اور شدید احساس اس مغربی نظامِ عدل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں کہاں سے آسکتا ہے ؟ محافظ پولیس کا ایک سپاہی ہوتا ہے جو اپنی پیٹھ کے پیچھے بھی نہیں دیکھ سکتا۔ جسے رشوت کے ذریعے رام بھی کیا جاسکتا ہے۔ جسے دھوکہ اور فریب بھی دیا جاسکتا ہے۔ اور جسے ضرورت پڑنے پر جرائم پیشہ افراد قتل بھی کردیتے ہیں۔

ایک اور بنیادی فرق

اسلامی اور مغربی نظام عدل میں ایک بنیادی فرق یہ بھی ہے کہ اسلامی شریعت نے مسلم معاشرے کی بنیاد اخلاقِ فاضلہ پر رکھی ہے اس لیے اس بات کا مختلف طریقوں سے اہتمام کیا جاتا ہے کہ ملت میں اخلاقِ فاضلہ پیدا ہوں اور اگر کوئی فعل اخلاقِ فاضلہ کے خلاف دیکھا جاتا ہے تو اس پر سزا دی جاتی ہے۔ لیکن مغربی نظامِ عدل میں اخلاق فاضلہ کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی۔ البتہ اگر کسی فرد کا کوئی عمل سوسائٹی کے دیگر افراد کے لیے مضر ہو یا اس کے امن عامہ میں خلل پڑنے کا امکان ہو۔ یا حکومت کے انتظامی امور میں دشواری پیدا کرنے والا ہو تو مغربی قانون حرکت میں آجاتا ہے ورنہ نہیں۔ مثلاً اگر ایک مرد اور عورت باہمی رضامندی سے زنا کا ارتکاب کریں یا کوئی شخص گھر میں یا بار میں بیٹھ کر شراب پیئے یا کلب میں جاکر جوا کھیلے تو مغرب کا نظام عدل اس سے کوئی تعرض نہیں کریگا۔ اس لیے کہ اس نظام میں فرد کے اخلاق کو کوئی اہمیت نہیں ہے۔ البتہ اگر کوئی شخص کسی خاتون سے زنا بالجبر کرے۔ یا شراب پی کر شارع عام پر غل غپاڑہ مچائے۔ جس سے لوگوں کے آرام میں خلل واقع ہوتا ہو۔ یا نشہ کی حالت میں موٹر چلائے یا جس سے کسی کے کچل جانے کا اندیشہ ہو تو فوراً مغربی قانون حرکت میں آجائے گا۔

اسلامی نظام عدل میں یہ بات نہیں ہے۔ اسلامی شریعت سب سے زیادہ زور لوگوں کے اخلاق سنوارنے اور ایک صالح معاشرہ کی تشکیل [illegible]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سارے فساد کی جڑ اخلاق کی تباہی ہے۔ اگر لوگوں کے کردار بہتر ہو جائیں تو بغیر کسی تادیبی کارروائی کے جرائم خود بخود کم یا ختم ہو جاتے ہیں۔ مغربی نظام عدل چونکہ تعمیر کردار پر زور نہیں دیتا اس لیے باوجود تمام تر کوششوں اور پروپیگنڈوں کے، جرائم کی شرح میں روز بروز اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ مغربی نظام عدل کا ایک بہت بڑا نقص یہ بھی ہے کہ وہ نہایت پیچیدہ ہے۔ عدالتوں کے چکر کا یہ عالم ہے کہ معمولی قسم کے فیصلے میں تین تین اور چار چار سال لگ جاتے ہیں اس کے بعد اپیلوں کا چکر چلتا ہے جس میں اتنی دشواریاں ہیں کہ مظلوم کی دادرسی تو درکنار وہ خود کو عذاب میں گرفتار سمجھنے لگتا ہے۔ دیوانی معاملات کی طوالت کی تو کوئی حد ہی نہیں۔ ایک ایک مقدمہ کے فیصلہ میں چودہ اور پندرہ سال کی مدت لگ جانا تو معمولی سی بات ہے۔ اور بسا اوقات حصول انصاف کے لیے صبر ایوبؑ اور عمر نوحؑ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے برخلاف اسلام کے نظام عدل میں بڑے بڑے اور پیچیدہ سے پیچیدہ مقدمہ کا فیصلہ دو چار دنوں میں ہو جاتا ہے اور "حقیقی عدل" کا تقاضا بھی یہی ہے کیونکہ "انصاف کی تاخیر بھی اپنی جگہ پر خود بہت بڑی بے انصافی ہے"۔

اس کے باوجود واقعہ یہ ہے کہ دنیوی زندگی میں دراصل عدل و انصاف ہی ایک ایسا معیار اور ہتھیار ہے جس سے انسانیت کے جائز، جمہوری اور بنیادی حقوق کی حفاظت ممکن ہے۔ چھوٹے بڑے کے مفادات کی نگہداشت اور تحفظ ہوتا ہے اور حق بحق دار رسید والا معاملہ سامنے آتا ہے تو پورا انسانی سماج اور معاشرہ سکھ چین، اطمینان و سکون، لطف و کرم، امن و آشتی، بھائی چارہ، وسیع النظری، مساوات اور عدل و انصاف کا گہوارہ بن جاتا ہے اور دنیا حقیقی سکون اور اطمینان کی سانس لے سکتی ہے۔ یہ دور بدقسمتی سے جس سے ہم گذر رہے ہیں فعال فکر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عمل کا بحران دوسرا ہے اور جس کے مہلک اثرات سے پوری انسانی آبادی متاثر نظر آتی ہے۔ دوسری اقوام و مذاہب کی بات تو ہم نہیں کرتے اور نہ ہی ہم حقوق نقد و نظر سے ابھی ہم عالمی سطح پر اس پوزیشن میں ہیں۔ البتہ ملّت اسلامیہ اور "امت مرحومہ" کے تعلق سے اتنا عرض کرنے کو ضروری جانتا ہے کہ اگر یہ موجودہ خطرناک سماجی ناانصافی اور حق تلفی واستحصال جیسے اجتماعی امراض کے علاج کی متلاشی ہے تو بے شک اسے پوری مضبوطی سے اسلام کے ہی درخشاں نظریہ عدل وانصاف کے پاکیزہ، سچے، پر اور سچا، پختہ، انمٹ اور راسخ، ذہن و دماغ کو اپیل کرنے والے اصول وہدایات اپنانے ہوں گے جس کا سلسلہ محض اس دنیا میں ہی ختم نہیں ہو جاتا۔ بلکہ اس کا ربط اور سلسلہ آخرت کی دائمی زندگی تک متواتر رہتا ہے۔ جی ہاں "عدل وانصاف" کو یقینی بنانا جس کا حکم بارگاہِ ایزدی سے نازل ہوا ہے بڑا ہی نازک اور فرض شناسی چاہتا ہے۔ اس لیے بتایا گیا ہے کہ "جسے کرسی عدل پہ بٹھا دیا گیا گویا ذمہ داری کی شدت کے پیش نظر اسے کند چھری سے ذبح کر دیا گیا" اور جس نے خوف خدا اور محض حصول حق سے ڈر کر حق وانصاف کے مطابق پوری دیانت داری کے ساتھ فیصلہ دیا۔ وہ قیامت کے دن نور کے منبر پر بٹھا دیا جائے گا۔ نیز ایک حدیث پاک کے اندر رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ میدان محشر میں جب کہ نفسی نفسی کا عالم ہوگا اور ہر فرد وبشر اپنی جگہ حیران وپریشان ہوگا۔ جن سات قسم کے خوش بختوں اور سعادت مندوں کو "عرش خداوندی" کے زیر سایہ جگہ ملے گی۔ ان میں سرفہرست "الامام العادل" ہوگا۔ وہ انسانوں کے درمیان فیصلہ کرنے والا اپنے ظالمانہ فیصلہ سے اپنے لیے دوزخ خرید لیتا ہے اور منصفانہ فیصلہ سے جنّت کا مستحق اور حقدار بن جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ ایک ظالم وجابر نظام حکومت کے تحت سیدنا امام اعظم ابو حنیفہؒ نے قصر عدالت کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے بجائے پابند سلاسل ہونا، جیل کی تاریک کوٹھری میں بیٹھنا اور شاہانہ طمطراق اور کروفر کے بجائے اپنی پیٹھ پر مسلسل کوڑے کھانا پسند فرمایا لیکن عہدۂ قضا اور تحفظِ عمل کو قبول فرمانے سے گریز کرتے رہے۔

قرآن مجید کے اندر رب العالمین کا بے غبار ارشاد ہے۔

ان اللہ یامر بالعدل والاحسان، بے شک اللہ تعالیٰ عدل اور احسان کا (النحل) حکم دیتا ہے۔

آیت بالا کی شرح وتفسیر کرتے ہوئے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن اسیر مالٹا رحمہ رقمطراز ہیں۔

قرآن مجید کو "تبیاناً لکل شیئ" فرمایا گیا۔ یہ آیت اس کا ایک نمونہ ہے حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ "خدائے تعالیٰ نے ہر ایک خیر وشر کے بیان کو اس آیت میں اکٹھا کر دیا ہے گویا کوئی عقیدہ، خلق، نیت، عمل، معاملہ اچھا یا برا ایسا نہیں جو امراً ونہیاً اس کے تحت میں داخل نہ ہوگیا ہو" بعض علماء نے لکھا ہے کہ اگر قرآن میں کوئی دوسری آیت نہ ہوتی تو تنہا یہی آیت "تبیاناً لکل شیئ" کا ثبوت دینے کے لیے کافی تھی۔ شاید اسی لیے خلیفہ راشد حضرت عمر ابن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے خطبہ جمعہ کے آخر میں اس کو درج کر کے امت کے لیے اسوۂ حسنہ قائم کر دیا۔ اس آیت کی جامعیت سمجھانے کے لیے تو ایک مستقل تصنیف کی ضرورت ہے تاہم تھوڑا سا اندازہ یوں کیا جا سکتا ہے کہ آیت میں تین چیزوں کا امر فرمایا ہے، عدل، احسان، اور ایتاء ذی القربیٰ۔ "عدل" کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کے تمام عقائد، اعمال، اخلاق، معاملات، جذبات، اعتدال و انصاف کے ترازو میں تلے ہوں۔ افراط وتفریط سے کوئی پلہ جھکنے یا اٹھنے نہ پائے۔ سخت سے سخت دشمن کے ساتھ بھی معاملہ کرے تو انصاف کا دامن ہاتھ سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہ جھوٹے ، اس کا ظاہر و باطن یکساں ہو ۔ جو بات اپنے لیے پسند نہ کرتا ہو وہ دوسرے کے لیے پسند نہ کرے ۔

"احسان" کے معنی یہ ہیں کہ انسان بذاتِ خود نیکی اور بھلائی کا پیکر بن کر دوسروں کا بھلا چاہے ۔ مقامِ عدل و انصاف سے ذرا اور بلند ہو کر فضل، عفو، اور تلطف و ترحم کی خو اختیار کرے ۔ فرض ادا کرنے کے بعد تطوع اور تبرع کی طرف قدم بڑھائے ۔ انصاف کے ساتھ مروّت کو جمع کرے اور یقین رکھے کہ جو کچھ بھلائی کرے گا ۔ خدا اسے دیکھ رہا ہے ۔ اُدھر سے بھلائی کا جواب ضرور بھلائی سے ملے گا ۔

"الاحسان ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک"
(صحیح بخاری)

"ھل جزاء الاحسان الا الاحسان" (القرآن)

یہ دونوں خصلتیں (عدل و احسان یا بالفاظِ دیگر انصاف و مروت) تو اپنے نفس اور ہر ایک خویش و بیگانہ اور دوست و دشمن سے متعلق ہیں ، لیکن اقارب کا حق ولجابت سے کچھ زائد ہے" الخ ۔ (بحوالہ ترجمہ شیخ الہندؒ)

بہر حال اپنے تو اپنے غیروں اور دشمنوں کے بارے میں حضرت حنبل بجدہٗ ، شریعتِ مصطفیٰؐ اور اسلام کے نظامِ عدل کو یہ گوارہ نہیں کہ ان کے ساتھ فیصلہ کرتے وقت کہیں ان کی دشمنی اور جذبۂ انتقام آڑے نہ آجائے ۔ ارشاد فرمایا گیا :

"ولا یجرمنکم شنان قوم علیٰ ان لا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقویٰ واتقوا اللہ ان اللہ خبیر بما تعملون"

اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث انصاف کو ہرگز نہ چھوڑو عدل کرو یہی بات زیادہ نزدیک ہے تقویٰ کے اور اللہ سے ڈرتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رہو اللہ کو خوب خبر ہے جو تم کرتے ہو۔ (ترجمہ شیخ الہند)

(المائدہ)

مذکورہ آیت کی شرح میں شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی مرحوم فرما
ہیں۔ "عدل" کا مطلب ہے کسی شخص کے ساتھ بدون افراط و تفریط کے
وہ معاملہ کرنا جس کا وہ واقعی مستحق ہے۔ عدل و انصاف کی ترازو ایسی صحیح اور
برابر ہونی چاہیے کہ عمیق سے عمیق محبت اور شدید سے شدید عداوت بھی اس کے
دونوں پلڑوں میں سے کسی پلڑہ کو جھکا نہ سکے"۔

آگے فرماتے ہیں:۔

جو چیزیں شرعاً مہلک یا کسی درجے میں مضر ہیں ان سے بچاؤ کرتے رہنے
سے جو ایک خاص نورانی کیفیت آدمی کے دل میں راسخ ہو جاتی ہے اس کا نام
تقویٰ ہے۔ تحصیل تقویٰ کے اسباب ... و مجیدہ بہت سے ہیں تمام اعمال
حسنہ اور ... خبر کو اس کے اسباب و ... میں شمار کیا جاتا ہے۔ لیکن معلوم
ہوتا ہے کہ "عدل و ..." یعنی دوست و دشمن کے ساتھ یکساں انصاف کرنا
اور حق کے معاملے میں جذبات محبت و عداوت سے قطعی مغلوب نہ ہونا یہ
خصلت حصول تقویٰ کے موثر ترین اور قریب ترین اسباب میں سے ہے اس لئے
... فرمایا" یعنی یہ عدل جس کا حکم دیا گیا تقویٰ سے نزدیک
ہے۔ ... کہ اس کی فرادات کے بعد تقویٰ کی کیفیت بہت جلد حاصل ہو جاتی
ہے ... لگتے ہیں یعنی ایسا عدل و انصاف جسے کوئی دوستی یا دشمنی نہ روک
سکے اور جس کے اختیار کرنے سے آدمی کو متقی بننا سہل ہو جاتا ہے۔ اس کے
حصول کا واحد ذریعہ خدا کا خوف اور اس کی شانِ انتقام کا خوف ہے اور یہ خوف
ان اللہ ... کے مضمون کے بار بار مراقبہ کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جب کسی مومن کے دل میں یہ یقین مستحضر ہوگا کہ ہماری کوئی چھپی یا کھلی حرکت حق تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں تو اس کا قلب خشیتِ الٰہی سے لرزنے لگے گا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ تمام معاملات میں "عدل و انصاف" کا راستہ اختیار کرے گا اور احکام الٰہیہ کے امتثال کے لیے غلامانہ تیار رہے گا۔ پر اس کے نتیجہ پر ثمرہ وہ ہے گا جسے اگلی آیت میں بیان فرمایا ہے۔"

(بحوالہ ترجمہ شیخ الہندؒ)

پیش کردہ آیاتِ بالا اور مختصر تشریح اور تفسیری نوٹ سے ہر صاحبِ نظر اندازہ لگا سکتا ہے کہ اسلام نے عدل انصاف کی ہر فرد بشر کے ساتھ کس قدر شدت کے ساتھ تاکید کی ہے اور ذمہ دار حضرات کے سامنے واضح اور بے لاگ اصول بیان کر دیئے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی جو عدل و انصاف، اور حریت و مساوات کی جیتی جاگتی تصویر اور شفاف آئینہ ہے۔ آپؐ نے خود اپنا بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ :۔

" امرنی ربی بتسع خشیته فی السر والعلانیه، وکلمه العدل فی الغضب والرضی۔ الخ	میرے رب نے مجھے نو باتوں کا حکم دیا ہے کھلے اور چھپے ہر حال میں خدا سے ڈرتا ہوں اور غصے میں ہوں یا خوشی میں ہر حال میں "انصاف" کی بات کہوں۔
(الحدیث بحوالہ رزینؒ)	

معتبر ترین روایات احادیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں مخزومی خاندان کے متمول گھرانے کی ایک عورت نے کسی کے کنگن چرا لیے، پکڑی گئی، مقدمہ دربار رسالتؐ میں پیش ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی قوانین کے پیش نظر مجرمہ کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دے دیا کچھ لوگوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو شاق گزرا کہ حضرت ہجوری تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس منصفانہ فیصلہ پر تامل ہوا۔ چنانچہ لوگوں نے حضرت اسامہؓ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو (زید ابن حارثہ جیسے منہ بولے بیٹےؓ) کے تعلق سے بیحد چہیتے اور محبوب تھے خدمتِ اقدسؐ میں سفارشی بنا کر پیش کیا کہ "فاطمہؓ معزز اور شریف گھرانے سے تعلق رکھتی ہے اس لے معاملہ رفع دفع کر کے صرفِ نظر کر لیا جائے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ صورت حال ملاحظہ فرمائی تو غصہ سے چہرۂ انور سرخ ہو گیا اور ارشاد فرمایا کہ پہلے کے لوگ اسی بنیاد پر ہلاک کر دیئے گئے کہ جب ان میں سے کوئی کمزور (مالی اور سماجی اعتبار سے) اور غریب جرم کا ارتکاب کرتا تو اسے فوری سزا دی جاتی اور اگر کوئی معزز یا طاقت ور ایسا کرتا تو اسے نظر انداز کر دیتے۔ خدا کی قسم اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صاحبزادی اور جگر کا ٹکڑا فاطمہ زہراؓ سے بھی یہ حرکت سرزد ہوتی تو میں اس کے بھی ہاتھ کاٹ ڈالتا۔ اور اسلامی حد" جاری کر کے "عدل و انصاف" کو قائم کرتا۔ اس کے بعد پھر دوبارہ کسی صحابیٔ جلیل کی جرأت نہیں ہوئی کہ وہ اللہ و رسول کے معاملہ میں دخل اندازی کریں۔ تفصیلات کے لیے تو ایک دفتر چاہیے۔

اسلام کے نظام عدل کے تعلق سے مستند علماء کی وقیع تصانیف موجود ہیں اور سیر و تواریخ میں سینکڑوں ایسے معاملات اور مثال ملتی ہیں جو موجودہ ظلم و بربریت، نا انصافی، اور حقوق تلفی کی دنیا میں مشعلِ راہ کی حیثیت اور انہی خطوط کا درجہ رکھتی ہے۔ تاہم اپنے موقف کے اثبات اور اپنے دعوے کی دلیل کے طور پر بطور نمونہ مشتے از خروارے چند ایک معتبر واقعات و حقائق پیش کیے جاتے ہیں۔

نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کا سانحہ پیش آنے کے بعد باتفاق جمہور اجلہ صحابہ کرامؓ خلافت و قیادت کی ذمہ داری سیدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اللہ عنہ کو سونپی گئی۔ بیعتِ عام کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ نے منبر پر بیٹھ کر جو پہلا خطبہ دیا اور اپنے آئندہ طرزِ عمل اور پالیسی کی توضیح فرمائی اس میں ایک تاریخی جملہ یہ بھی فرمایا کہ "ان شاء اللہ" "تمہارا ضعیف فرد بھی میرے نزدیک قوی ہے یہاں تک کہ میں اس کا حق واپس دلادوں۔ انشاء اللہ اور تمہارا اقوی فرد بھی میرے نزدیک ضعیف ہے یہاں تک کہ میں اس سے دوسروں کا حق دلادوں" (بحوالہ طبقات ابن سعد)

خلیفہ ثانی سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جن کی خلافت و امارت کی کی پوری عدل و انصاف، مساوات و برابری، ہمدردی و بہی خواہی، درد مندی اور دلسوزی کے واقعات سے بھری پڑی ہے۔

جبلہ بن الایہم کا واقعہ یاد کرنے کے لائق ہے جو امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رضؓ کے ہمراہ مناسک حج ادا کر رہا تھا، حالت طواف میں جبلہ کا تہبند جو تعلقات اور شوکت کے سبب زمین پر گھسٹ رہا تھا۔ قبیلہ فزارہ کے ایک شخص کا پیر غلطی سے پڑ گیا۔ جبلہ کو غصہ آگیا اور اس نے زور سے ایک تھپڑ رسید کیا کہ اس شخص کے دانت ٹوٹ گئے۔

مقدمہ خلافت کی عدالت میں پہونچا۔ حضرت عمرؓ نے جبلہ سے فرمایا کہ یا تو تم مدعی کو رضامند کرو ورنہ قصاص لیا جائے گا۔ جبلہ کو یہ خلاف توقع فیصلہ سخت ناگوار گذرا، اس نے کہا کہ ایک معمولی شخص کے عوض مجھ سے قصاص لیا جائے گا، میں اپنی جگہ کا بادشاہ اور اہم آدمی ہوں اور وہ عام رعیت کا ایک فرد، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ "اسلام نے تم کو اور اس رعیت کو اپنے احکام کے معاملہ میں مساوی کر دیا ہے۔ اگر کسی کو کسی پر فضیلت ہے تو محض اعمالِ صالح اور اخلاقِ حسنہ کی وجہ سے"

(الاسلام کی اشاعت صفحہ ۲۱)

© rasailojaraid.com

رعایت نہیں فرمائی۔ اور دنیا کو بتلا دیا کہ "اسلام کا نظامِ عدل" کیا ہے؟ اور دینے پرانے کے فیصلے سے نازک وقت میں کس طرح عہدہ برآ ہونا ہے اور اس وقت اسلام کا مطالبہ کیا ہے؟

تاریخی حوالے سے یہ بات ثابت ہے کہ خلیفہ اعظمؓ کے صاحبزادے فرزندارجمند نے مصر کے اندر شراب پی لی تھی۔ مصر کے گورنر نے یہ سمجھ کر خلیفۂ وقت کے صاحبزادے سے لغزش ہو گئی ہے تنہائی میں کمرہ کے اندر بلوا کر اسلامی حدود کی روشنی میں ہلکی سزا دے دی اور مطمئن ہو گئے۔

شدہ شدہ حضرت فاروق اعظمؓ کو اس کی اطلاع ملی، فوراً فرمان جاری کیا اور تحریر فرمایا کہ "تم نے محض یہ جان کر کہ خلیفۂ وقت کا بیٹا ہے۔ اسلامی سزا میں مداہنت کا ثبوت پیش کیا ہے۔ مجرم کو یہاں بھیجا جائے تاکہ میں خود اپنی نگرانی میں شرب خمر کی سزا دوں۔ اور تم کو بھی اپنے عہدے سے محض اس بنیاد پر معزول کیا جاتا ہے کہ اسلامی حدود کے نفاذ اور حد جاری کرنے میں نرم گوشہ کیوں اختیار کیا؟" صاحبزادہ یوں ہی مصر سے مدینہ آیا فوراً سزا کا حکم نافذ کر دیا گیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے سفارش کی کہ صاحبزادہ کی طبیعت کچھ علیل ہے اور پھر ایک حد تک سزا مل بھی چکی ہے۔ بہتر ہوگا چند دن تاخیر کیا جائے۔ فرمایا کہ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا، زندگی کا کیا بھروسہ۔ ممکن ہے اسی حال میں میری موت آ جائے! اور میں حدود اللہ کو جاری کیے بغیر اللہ تعالیٰ کے یہاں چلا جاؤں!

بالآخر مجرم کے منصب میں فرزندارجمند کو شرعی سزا دی گئی اور بغیر کسی رعایت کے نتیجہ یہ ہوا کہ صاحبزادے کے مرض میں ازدیاد اضافہ ہو گیا۔ اور پھر جانبر نہ ہو سکے قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

تمدن سے متمدن تاریخ کی بھی "عدل" کی ایسی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے اور رہتی

© rasailojaraid.com

کر سکتی ہے ؟ داماد رسول صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ العہدِ خلافت و سیادت ہے۔ حضرت علیؓ کی زرہ چوری ہو گئی، جو ایک یہودی کے ہاں پکڑی گئی، قاضی وقت حضرت شریحؓ (جو خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق کے زمانہ سے ہی عہدۂ قضا پر فائز چلے آرہے تھے) مقدمہ پیش ہوا۔ حضرت قاضی نے فریقین کے نام سمن جاری کر دیا۔ یہاں یہ ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ ایک طرف ادنیٰ یہودی ہے (جس کا کوئی مذہب نہیں) اور دوسری طرف خلیفۃ الاسلام حضرت علی رضی اللہ عنہ کی قدسی الاصل اور پاکیزہ شخصیت گرامی ہے مگر چونکہ عدل و انصاف کا معاملہ ہے۔ اس لیے عدالت میں حاضری ناگزیر اور ضروری ہے قاضی عدالت نے کرسی پر بیٹھ کر حضرت علیؓ سے اپنے دعوے پر گواہ طلب فرمایا آپؓ نے اپنے بیٹے حضرت حسنؓ اور غلام (   ) کو شہادت میں پیش کیا۔ قاضیؒ نے گواہوں کی پوزیشن دیکھ کر فرمایا کہ میرے نزدیک باپ کے حق میں بیٹے کی گواہی معتبر نہیں ہے کوئی دوسرا گواہ پیش کیجیے۔

خلیفہ وقت نے یہ سن کر فرمایا کہ دوسرا گواہ تو اور کوئی نہیں ہے۔ البتہ میرے نزدیک بیٹے کی گواہی باپ کے حق قابل اعتبار ہے!۔

قارئین کرام سوچتے ہوں گے ؟ کہ خلیفہ وقت کے حق قاضی نے یہ سن کر فیصلہ دے دیا ہوگا اگر کیسے سمجھایا جائے کہ یہاں تو معاملہ ہی برعکس ہے۔ کہ قاضی نے دوسرا ہی فیصلہ صادر فرمایا۔ مقدمہ خارج اور فیصلہ یہودی کے حق میں یہودی نے جب "عدل و انصاف" کا یہ اسلامی رنگ دیکھا تو انسانی فطرت صحیحہ کے خلاف اور بات ناممکن ہوتی کہ وہ متاثر نہ ہوتا۔ اس بے مثال واقعہ، اس کی زندگی کا کایا ہی پلٹ دی۔ فوراً اپنے جرم کا اعتراف کر کے اسلام کی غلامی کا طوق ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنی گردن میں ڈال لیا۔ اور گواہی دی کہ بیشک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الحاصل کہ دعوت اسلام اور رسول برحق ہیں اور دین اسلام کی تعلیمات ہر لحاظ سے تسلی بخش اور فطرتِ انسانی کے ہم آہنگ ہیں۔ دو گروہوں یا دو آدمیوں میں جب کوئی نزاعی معاملہ پیش آتا ہے تو اکثر ہوتا ہے کہ ہر ایک کی نظر اپنے مفاد پر ہوتی ہے جس جس میں بظاہر فائدہ نظر آئے آدمی اس کی طرف جھک جاتا ہے۔ مگر حقیقی کامیابی یہ ہے کہ "معاملہ" کو حق اور ناحق، انصاف اور بے انصافی اور عدل وظلم کے نقطہ نظر سے دیکھا جائے۔ اور جو طریق کار بھی عدل وانصاف کے مطابق ہو اختیار کیا جائے اور جو طریقہ بھی عدل اور حق کے خلاف ہو چھوڑ دیا جائے۔

پوری اسلامی تاریخ الحمدللہ حق وانصاف اور عدل ومساوات کی داستان سے لبریز ہے اور زبانِ حال سے ملک وقوم، اور نوعِ انسانی کو دعوتِ فکر، دعوتِ عمل اور دعوتِ عدل دے رہی ہے۔

آخر میں ہندوستان کی آزادی کے ممتاز رہنما "گاندھی جی" کا وہ حقیقت افروز تبصرہ نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے جو موصوف نے دہلی کانگریس کے سالانہ اجلاس منعقدہ رام لیلا گراونڈ (RAM LILA GROUND) بر سر عام اظہار واعلان کیا تھا۔ حقیقت ہے "الافضل

بعد میں خود اپنے اخبار "ہریجن" (HARIJAN) بابت ۲۷-۷-۳۷ میں نقل کیا۔ الفاظ ہیں:-

"SIMPLICITY IS NOT THE MONOPOLY OF CONGRES SS IS THE SAME NOT GOING TO MENTION THE NAMES OF RAMA AND KRISHANA, BECAUSE THEY ZERE NOT THE HISTURICAL PERSONALITIES, SAME

(باقی صفحہ ۶۳ پر)

© rasailojaraid.com